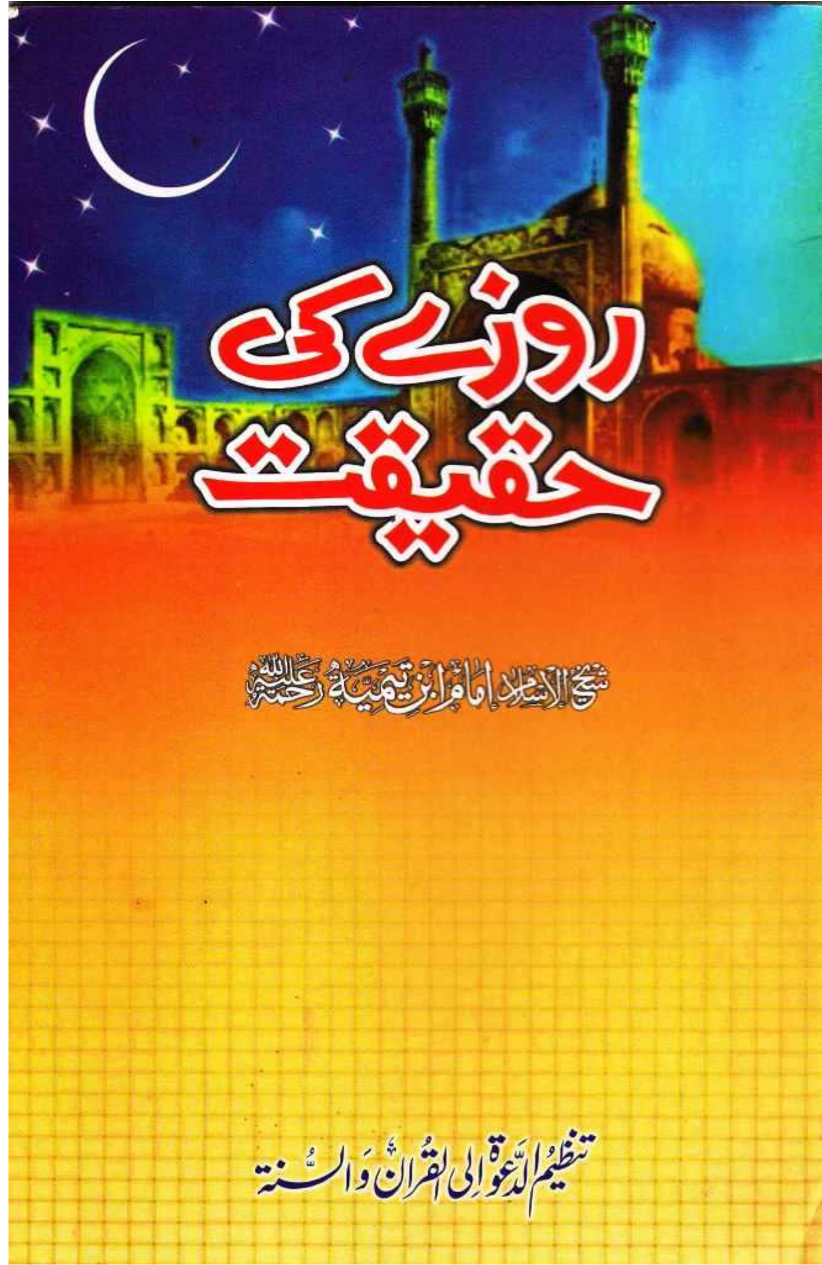


روزے کی حقیقت
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ
تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ



نام کتاب : روزے کی حقیقت

مؤلف : شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ)

تعلیق و تخریج : علامہ ناصر الدین البانی (رحمۃ اللہ علیہ)

ترجمہ : **تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ**

صفحات : ۷۲

نظر ثانی : اصلی اہلسنت ڈاٹ کام

ناشر : **تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ**

فہرس مضامین

مؤلف کی سوانح حیات

آپکا نام اور نسب یہ ہے

شیخ الا سلام تقی الدین احمد بن عبد الحلیم بن عبدالسلام بن عبد الله بن الخضر بن محمد ابن تیمیه النمیری الحرانی الدمشقی۔

تیمیہ آپکے جد اعلیٰ محمد کی والدہ محترمہ تھیں یہ واعظہ تھیں راوی تھیں یہ معزز گھرانہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے۔

دجلہ وفرات کے درمیان جزیرہ کے اہم شہر حران میں ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے جب تاتاریوں کا غلبہ ہوا تو ان کے والد محترم پورے خاندان کے ساتھ دمشق چلے آئے۔ دمشق کے نامور اہل علم سے آپ نے کسبِ فیض کیا جو اس وقت علم ودین کا مرکز تھا۔

آپ زہدوتقویٰ اور عبادت گزاری کے امام تھے تو دوسری طرف شجاعت و بسالت اور شہسواری کے نامور مجاہد تھے جس طرح آپ نے اپنی زبان وقلم سے امت کے عقائد کی مدافعت کی اسی طرح تلوار سے ملک کی حفاظت بھی کی۔

دمشق پر جب تاتاریوں نے حملہ کیا تو دفاع کا مقدس فریضہ انجام دیا اور دمشق کے جنوب میں شوحب کے مقام پر ان سے جنگ کی۔ اللہ نے اس جنگ میں تاتاریوں کو شکستِ فاش دی۔ جس سے شام وفلسطین اور مصر وحجاز تاتاریوں کی خون آشامیوں سے بچ گئے۔ امت کے ان دشمنوں کے خلاف مسلسل جنگ کرنے اور علم جہاد بلند کئے رہنے کا آپ نے حکام سے مطالبہ کیا۔ جنہوں نے ان بیرونی حملہ آوروں کی مدد کی تھی۔

بس اسی پر حکام کی کینہ توزی علماء اور ہم عصر لوگوں کا حسد منافقین اور فاجرین کی سیہ کاری رنگ لائی اور آپ کو تعذیب وایذادہی قید و بند اور جلاوطنی کے ہر مرحلہ سے گزارا گیا لیکن آپ کے قدموں میں تزلزل آیا نہ آپ جھکے۔ آپ کے اس وقت کے جملے زبان زد خاص وعام تھے۔

''میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ میری جنت میرے سینے میں ہے اور کہیں بھی جاؤں وہ مجھ سے جدا نہیں ہوسکتی۔ قید میرے لیئے خلوت ہے قتل میرے لیئے شہادت ہے اور شہر بدر میرے لیئے سیاحت ہے۔''

متعدد بار جیل گئے۔ جیل میں کہا کرتے تھے۔

''محبوس تو وہ ہے جس کا قلب اس کے رب سے روک دیا جائے اور قیدی تو در حقیقت اسے کہیں گے جسے اس کی خواہشات نے قید کرلیا ہو''۔

آپ کی تین سو سے زائد تالیفات ہیں جو مختلف علوم پر مشتمل ہیں۔

چند تالیفات تو کئی ضخیم جلدوں میں ہیں۔

آپ کی وفات قلعہ دمشق کے جیل میں ہوئی ۷۲۸ھ کی ذی القعدہ کی ۲۲ تاریخ تھی۔ آپ پر اللہ کی رحمت سایہ فگن ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمَنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا(۱)

---

(۱) یہ خطبہ خطبہ حاجت کے نام سے مشہور ہے صحیح حدیث ہے کہ نبی ﷺ اپنے صحابہ کو اس کی تعلیم دیتے تھے کہ وہ اپنے کلام اور خطبوں سے پہلے اسے پڑھا کریں۔ جس سے اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے اللہ سے مدد چاہئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے رسائل اور کتابوں میں اس خطبہ سے آغاز کرنے کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔ جس سے آپ کے اتباع سنت اور اس کو زندہ کرنے کے جذبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ میں نے مکتبہ ظاہریہ کے مخطوطہ میں ان کی تحریر پڑھی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حاشیہ میں اسے درج کردیا جائے۔ اس خطبہ کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

میں نے عوام الناس کو خطاب کرنے عام وخاص سارے لوگوں کو مخاطب بنانے اور انہیں کتاب وسنت کی تعلیم دینے اس کی ان کے اندر سمجھ پیدا کرنے اور انہیں وعظ ونصیحت کرنے اور مجادلہ ومباحثہ کرنے میں اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ اس نبوی خطبہ سے خطاب ہو جب کہ ہمارے زمانے کے شیوخ جن سے ہم نے اخذ واکتساب کیا ہے اور دوسرے لوگ مساجد ومدارس میں تفسیر وفقہ کی مجلسوں کا افتتاح دوسرے خطبوں سے کرتے ہیں مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں۔

"الحمدلله رب العالمين وصلى الله على خاتم النبيين وعلى اله وصحبه اجمعين ورضى الله عنا وعنكم وعن مشايخنا وعن جميع المسلمين" یا "وعن السادة الحاضرين وجميع المسلمين" اسی طرح

میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ہے کہ نکاح میں وہ مسنون خطبہ نہیں پڑھتے اور ہر قوم دوسری سے منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ ابن مسعودؓ کی حدیث صرف نکاح کے لیے ہی خاص نہیں ہے۔ بلکہ تمام ضروریات کے لیے یہ خطبہ ہے اور نکاح بھی اس میں شامل ہے۔

تمام عادات وعبادات میں اقوال و اعمال میں شرعی سنتوں کا خیال رکھنا ہی صراط مستقیم کا منتہا ہے اور جو اس کے ماسوا ہے اگر چہ شریعت نے اسے روکا نہ ہو لیکن اس میں نقص ہے اور وہ نظر انداز کر دینے کے لائق ہے۔ کیونکہ بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے"۔

میرا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں میں نے اسی باب کی ساری احادیث کو جمع کر دیا ہے ان کے طرق اور الفاظ صحیح اور غیر صحیح وغیرہ کی تخریج کی ہے اور ان سے متعلق بعض نوٹس بھی بڑھائے ہیں۔ چند سال قبل یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے اور مکتب اسلامی نے مزید اضافوں کے ساتھ دوبارہ شائع کیا۔

نوٹ: حدیث کے تمام سلسلوں میں شہادتین میں شہادت کا فعل واحد استعمال ہوا ہے جب کہ اس سے پہلے تمام افعال جمع استعمال ہوئے ہیں۔ اس میں ایک لطیف حکمت ہے جسے شیخ الاسلام نے اجاگر کیا ہے۔ میں نے اپنے اس رسالہ میں اسے نقل کیا ہے۔ جسے ضرورت محسوس ہو اس رسالہ کے ص ۱۵ پر دیکھ لے۔

فصل

کن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کن چیزوں سے نہیں ٹوٹتا

اس کی قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جو نصوص اور اجماع سے ثابت ہے اور وہ یہ ہیں۔ کھانا پینا اور جماع کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (بقرہ .۱۸۷)

ترجمہ: ﴿اب تم اپنی بیویوں کیساتھ شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لیے جائز کر دیا ہے اسے حاصل کرو، نیز راتوں کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ سیاہئ شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آ جائے‘ تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو﴾۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہاں شب باشی‘ کھانے اور پینے سے روزہ رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ اس سے پہلے یہ حکم گزر چکا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (بقرہ. ۱۸۳)

ترجمہ ﴿اے لوگو جو ایمان لائے ہو‘ تم پر روزے فرض کر دیے گئے۔ جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کئے گئے تھے﴾۔

وہ یہ سمجھتے تھے کہ روزہ کھانے پینے اور جماع کرنے سے رکنے کا نام ہے اور ”صیام“

(روزہ) کا لفظ وہ اسلام سے پہلے بھی استعمال کرتے تھے جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

عاشورہ وہ دن ہے، جس میں قریش دور جاہلیت میں بھی روزہ رکھتے تھے۔"(۱)

متعدد سلسلوں سے روایتیں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ نے رمضان کی فرضیت سے پہلے یوم عاشورہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا اور ایک منادی روزہ رکھنے کا اعلان کرتا تھا۔(۲) معلوم ہوا کہ اس لفظ کا محل استعمال ان کے ہاں مشہور تھا۔

اسی طرح نص اور اجماع سے ثابت ہے کہ حیض کا خون روزہ کو توڑ دیتا ہے۔ حائضہ روزہ نہ رکھے بلکہ ان کی قضا کرے یہ بھی لقیط بن صبرہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ناک میں پانی خوب ڈالو ہاں اگر تم روزے سے ہو تو درست نہیں ہے"(۳) معلوم ہوا کہ ناک میں پانی ڈالنا روزہ کو توڑ دیتا ہے اور یہ جمہور علماء کا قول ہے۔ سنن میں دو حدیثیں ہیں۔ ایک ہشام بن

(۱) مسلم کے الفاظ (۳:۱۴۶) یہ ہیں حضرت عائشہ کہتی ہیں۔
"قریش جاہلیت میں عاشورہ کے روزے رکھتے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ بھی رکھتے تھے جب آپؐ مدینہ ہجرت کر آئے تو آپؐ نے روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا لیکن جب رمضان کا مہینہ فرض ہوا تو آپؐ نے فرمایا جو چاہے عاشورہ کے روزے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔"

(۲) حضرت عائشہؓ کی حدیث میں عاشورہ کے روزے رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ سلمیٰؓ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں، کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک اسلام لانیوالے شخص کو حکم دیا کہ "لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس نے کھا لیا ہے وہ بقیہ دن روزے سے رہے اور جس نے نہیں کھایا ہے وہ روزہ رکھے اس لیے کہ آج یوم عاشورہ ہے"۔ امام بخاریؒ نے (۱۔۱۴۹۸) اس کی تخریج کی ہے اور الفاظ انہی کے ہیں اور مسلم (۳۔۱۵۱۔۵۶) اور دوسرے لوگوں نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

(۳) صحیح حدیث ہے، چاروں سنن والوں نے اور ابن جارود نے منتقی (۴۶) میں حاکم (۱۔۴۸) نے طیالسی (۱۳۴۱) میں اور احمد (۴۔۳۳) نے لقیط کے واسطے سے مرفوع روایت کی ہے۔ الفاظ یوں ہیں: "اچھی طرح وضو کرو انگلیوں کے درمیان خلال کر لیا کرو۔ اور ناک میں پانی خوب...." حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ ذہبی اور دوسرے لوگوں نے ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ صحیح سنن ابی داؤدؒ میں مذکور ہے۔

حسان بواسطہ محمد بن سیرین بواسطہ ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو قے آ جائے اور وہ روزے سے ہو تو اس پر قضا واجب نہیں ہے اور جو جان بوجھ کر قے کر دے تو وہ قضا کرے''۔

یہ حدیث اہل علم کے ایک گروہ کے نزدیک ثابت نہیں ہے، بلکہ ان کا کہنا ہے کہ یہ ابو ہریرہؓ کا قول ہے۔ ابو داودؒ کہتے ہیں میں نے احمد بن حنبلؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا: کہ اس میں کچھ نہیں ہے خطابی کہتے ہیں اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے ترمذی کہتے ہیں: میں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے صرف عیسیٰ بن یونس کے واسطہ سے یہ حدیث معلوم ہے اور فرمایا: میں اسے محفوظ نہیں سمجھتا۔ کہتے ہیں۔ اور یحیٰ ابن ابی کثیر نے عمر بن الحکم کے واسطے سے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہؓ کا یہ خیال نہیں تھا کہ قے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

خطابی کہتے ہیں: ابوداؤد نے ذکر کیا ہے کہ حفص بن غیاث نے ہشام سے اس کی روایت کی ہے جس طرح عیسیٰ بن یونس سے کی ہے وہ کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ اس امر میں اہل علم میں کوئی اختلاف بھی ہے کہ جسے قے آ جائے اس پر قضا واجب نہیں ہے اور جو جان بوجھ کر قے کر دے اس پر قضا واجب ہے البتہ کفارہ کے سلسلہ میں اختلاف ہے عام اہل علم کا کہنا ہے کہ قضا کے علاوہ کوئی چیز اس پر واجب نہیں ہے اور عطا کہتے ہیں: اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہے اور اوزاعیؒ روایت کی ہے اور یہ ابو ثور کا قول ہے میں کہتا ہوں پچھنا لگوانے والے پر کفارہ کے وجوب کے سلسلے میں جو ایک روایت احمد سے منقول ہے اس کا تقاضا یہی ہے اس لیے کہ جب آپؐ نے پچھنا لگوانے پر قضا کو واجب قرار دیا ہے تو جان بوجھ کر قے کرنے والے پر بدرجہ اولیٰ قضا واجب ہوگی لیکن ظاہری مسلک یہی ہے کہ کفارہ بغیر جماع کے واجب نہیں ہے جیسے امام شافعیؒ اس کے قائل ہیں۔

جن لوگوں نے اس حدیث کو ثابت نہیں مانا ہے انہیں کوئی ایسا سلسلہ معلوم نہ ہو سکا جس پر وہ اعتماد کر سکتے انہوں نے اس کی علت بھی واضح کر دی ہے یعنی یہ کہ عیسیٰ بن یونس منفرد ہیں حالانکہ یہ

واضح ہو چکا ہے کہ وہ تنہا نہیں ہیں بلکہ حفص بن غیاث نے ان کی موافقت کی ہے [1] اور ایک دوسری حدیث اسی کی گواہی دیتی ہے۔

اور وہ روایت وہ ہے جسے احمد اور اہل سنن جیسے ترمذی نے ابو درداءؓ کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قے کی اور روزہ توڑ دیا میں نے اس کا تذکرہ ثوبانؓ سے کیا تو انہوں نے کہا: انہوں نے صحیح کہا ہے۔ میں نے آپؐ کے لیے وضو کا پانی انڈیل کر دیا تھا۔ لیکن احمد کے الفاظ یہ ہیں: ''رسول اللہؐ نے قے کیا پھر وضو کیا۔'' احمد نے اس کی روایت حسین المعلم کے واسطے سے کی ہے [2]

---

(۱) شیخ الاسلام اس ترجیح کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ حدیث صحیح ہے اس لیے کہ جو علت بیان کی گئی ہے وہ پائی نہیں جاتی یعنی عیسیٰ بن یونس کا تنہا ہونا کیونکہ حفص بن غیاث نے اُن کی موافقت کی ہے اور یہ دونوں شیخ الاسلام کے بقول ثقہ ہیں حجت ہیں جن سے شیخین نے استدلال کیا ہے اور ان دونوں کے سلسلے سے ابن ماجہ (۱٦٧٦) نے حاکم (۱:۴۲۷) ہشام بن حسان کے واسطے سے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ:

''شیخین کی شرط کے مطابق حدیث صحیح ہے'' اور ذہبی نے اس سے موافقت کی ہے تاہم میں سمجھتا ہوں کہ حدیث صحیح ہے۔ حتیٰ کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ عیسیٰ بن یونس تنہا ہیں تو بھی حدیث صحیح ہے کیونکہ وہ ثقہ ہیں مامون ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ''التقریب'' میں لکھا ہے اس لیے ان کا تنہا ہونا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بھلا یہ حدیث صحیح کیوں نہ ہوگی جب کہ ان کی موافقت بھی ہو گئی ہے۔

(۲) اسی طرح دوسری روائتیں بھی آتی ہیں۔ مسند احمد (٦:۴۴۳) کی یہ حدیث جو حسین کے طریق سے ہے یحییٰ ابن ابی کثیر کے واسطے سے مروی ہے وہ کہتے ہیں مجھے بتایا عبدالرحمٰن ابن عمرو الاوزاعی نے بواسطہ یعیش بن الولید بن ہشام اور انہیں بتایا ان کے باپ نے وہ کہتے ہیں مجھے بتایا معدان بن ابی طلحہ نے کہ ابو درداء نے انہیں بتایا ''اللہ کے رسول ﷺ نے قے کی پھر روزہ توڑ دیا'' وہ کہتے ہیں کہ میں مسجد دمشق میں اللہ کے رسولؐ کے غلام ثوبانؓ سے ملا اور میں نے کہا کہ ابو درداءؓ نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے قے کی اور روزہ توڑ دیا تو انہوں نے کہا: ''وہ سچے ہیں میں نے آپ کو وضو کا پانی انڈیل کر دیا تھا۔

احمد کے نزدیک اصل الفاظ '' فَاءَ فَاءَ فَطَرَ '' ہیں لیکن لوگوں نے '' فَاءَ فَتَوَضَّاءَ '' کو ان کی طرف منسوب کر دیا اور اس میں مؤلف نے اپنے دادا مجد الدین عبدالسلام کی پیروی کی ہے کیونکہ انہوں نے ''المنتقیٰ'' میں اسی طرح نقل کیا ہے اور ''رواہ احمد والترمذی'' کی مہر بھی لگا دی ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)......

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا)......

اس غلط فہمی کی بنیاد یہ ہے کہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "التحقیق" (۱:۱۳۰) میں امام احمد کے طریق سے مذکورہ سند کے ساتھ حسین المعلم کے واسطے سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں الفاظ "قَاءَ فَتَوَضَّا" کے ہیں۔ ابوداؤد اور دارمی نے اور طحاوی نے اپنی دونوں کتابوں میں اور ابن الجارود دارقطنی بیہقی ان تمام لوگوں نے حسین کے طریق سے المسند کی روایت کی طرح روایت کی ہے البتہ ترمذی ان سے مختلف ہیں انہوں نے اسی سلسلہ کو دوسرے الفاظ" قَاءَ فَتَوَضَّا " سے راویت کی ہے لیکن مشہور محقق احمد شاکرؒ نے ترمذی پر اپنے حواشی میں یہ ذکر کیا ہے کہ اس لفظ کے سلسلے میں ترمذی کے مختلف نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کسی نسخے میں پہلے الفاظ ہیں اور کسی نسخے میں بعد کے الفاظ ہیں اور کسی نسخے میں ان دونوں کو جمع کر دیا ہے یعنی "فَافْطَرَفَتَوَضَّاء" ہے۔اس روایت کی شہادت اس روایت سے بھی ملتی ہے جو مسند (۶ـ۴۴۹) مطبوعہ مکتبہ اسلامی میں۔دوسرے طریق سے بواسطہ یعیش بن الولید پوری سند کے ساتھ ابو درداؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں "اللہ کے رسولؐ نے قے کر دی پھر روزہ توڑ دیا۔آپؐ کے پاس پانی لایا گیا اور آپؐ نے وضو کیا" اور اس کے سارے رجال ثقہ ہیں اگر یہ مضطرب نہ ہوتی یا اضطراب کی وجہ نہ پائی جاتی جس کی طرف اثرم کا کلام اشارہ کر رہا ہے"۔

اس پوری جماعت کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو احمد (۵:۲۷۷) اور دوسرے لوگوں نے دوسرے طریق سے بواسطہ بلج بواسطہ ابوشیبہ اطہری کی ہے وہ کہتے ہیں۔ثوبان نے کہا": میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے قے کی پھر روزہ توڑ دیا۔یہ بلج معلوم نہیں کون ہیں اور نہ ان کے شیخ کا کچھ پتہ ہے۔جیسا کے ذہبی نے کہا ہے۔اور ابن حبان نے اپنے قاعدے کے مطابق ان دونوں کو ثقہ قرار دیا ہے اور انہی کی اتباع احمد شاکر نے کی ہے۔انہوں نے بھی اس توثیق پر اعتماد کر کے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے اور اس توثیق کی تنقید جس کا تذکرہ علماء نے کیا ہے ان سے مخفی رہی جیسا کہ میں نے اس کی وضاحت بعض منتحلیں حدیث کی تردید میں اپنے ایک رسالے میں کی ہے لیکن یہ چیز پہلی سند کے لیئے شاہد ہونے سے اسے نہیں روک سکتی۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو مذکورہ تحریر کا خلاصہ یہ ٹھہرا کہ جماعت کی روایت ترمذی کی تیسری روایت کی مخالف نہیں ہے اور احمد کی روایت اس کی گواہی دیتی ہے اس لئے کہ جماعت کی روایت ثوبان کے قول میں وضو پر بھی مشتمل ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ کے رسولؐ نے قے کی روزہ توڑ دیا اور وضو کیا۔اس مفہوم پر تمام روایات متفق نظر آتی ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں رہ جاتا رہی ابوشیبہ اطہری کی روایت جس میں وضو کا ذکر نہیں ہے تو ضعیف الاسناد ہونے کے باوجود اپنے ماقبل کی روایت کی مخالفت نہیں کرتی۔جس میں وضو کا اضافہ ہے اس لئے کہ ثقہ کا اضافہ قابل قبول ہے۔چاہے کسی دوسرے ثقہ نے اس کا ذکر نہ کیا ہو تو جس چیز کا اس میں تذکرہ نہیں ہے وہ ضعیف کیسے ہوگی۔

توانہوں نے کہا: حسین المعلم اس کو صحیح بنا دیتے ہیں اور ترمذی کہتے ہیں: حسین کی اس حدیث میں صرف یہ مذکور ہے۔

کہ آپ ؐ نے وضو کیا اور مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وضو کرنا مسنون ہے اگر یہ کہا جائے کہ قے کے بعد وضو کرنا مستحب ہے تو اس میں حدیث پر عمل ہو جاتا ہے۔

باب میں صحیح ترین حدیث ہے اسی سے انہوں نے قے کے بعد وضو کے وجوب پر استدلال کیا ہے حالانکہ اس سے وجوب معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر اس سے شرعی وضو مراد لیا ہے تو اسی طرح بعض صحابہ سے نکلنے والے خون سے وضو کے واجب ہونے کے سلسلے میں بعض چیزیں آتی ہیں (١)۔ لیکن اس میں وجوب پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے اور شرعی دلائل میں بھی کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جو وجوب کو بتلائے بلکہ دار قطنی وغیرہ نے

---

(١) مجھے نہیں معلوم کہ اس سلسلہ کی کوئی چیز صحابہ سے ثابت ہے۔ سوائے اس عمل کے جو عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں نکسیر کے بارے میں منقول ہے۔ مالک نے الموطا (١: ٣٨-٤٦) میں نافع سے روایت کی ہے کہ ''عبداللہ بن عمرؓ کو جب نکسیر آتی تو واپس جاتے اور وضو کرتے پھر لوٹ آتے نماز مکمل کرتے اور کسی سے بات نہ کرتے''۔
مالک اور ان کے علاوہ ایک جماعت کے طریق سے بیہقی نے اس کی تخریج ''السنن الکبریٰ'' (٢: ٢٥٦) میں کی ہے اور لکھا ہے کہ ''یہ عمل ابن عمرؓ سے ثابت ہے اور علیؓ سے بھی یہ مروی ہے'' پھر انہوں نے علیؓ سے تین طرق سے روایت کی ہے جو سب ضعیف ہیں لیکن میں نے ان کا ایک چوتھا طریق پایا ہے جس کی تخریج ابن شیبہ نے ,,المصنف'' (٢: ١٤١) میں کی ہے: ہمیں بتایا علی بن مسہر نے بواسطہ سعید بواسطہ قتادہ بواسطہ فلاس بواسطہ علیؓ وہ کہتے ہیں ,,جب نماز میں آدمی کو نکسیر پھوٹ جائے یا قے ہو جائے تو اسے وضو بنا لینا چاہیے اور بات نہ کرے اور اپنی نماز مکمل کرے'' یہ صحیح سند ہے گرچہ فلاس نے علیؓ سے نہیں سنا ہے جیسا کہ احمد وغیرہ نے کہا ہے۔ اور الجوہر المنقی (٢: ٢٥٦) میں ابن ترکمانی کا قول ہے کہ: یہ صحیح کی شرط پر ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اپنے مجموعی طرق کے اعتبار سے صحیح ہے بلکہ یہی ظاہر ہے۔ واللہ اعلم
پھر ابن ترکمان (١: ١٤٢، ١٤٣) کہتے ہیں اور ابن عبدالبر کی ,,الاستذکار'' میں ہے کہ: ابن عمرؓ کا معروف مسلک نکسیر سے وضو کا واجب ہونا ہے اور یہ وضو کو توڑ دیتی ہے جبکہ خون بہہ رہا ہو۔ اسی طرح جسم سے بہنے والے ہر خون کا یہی حکم ہے اس کے مثل علیؓ اور ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے کہ نکسیر اور جسم سے بہنے والا ہر خون حدث ہے''
میں کہتا ہوں: بہنے والے خون کا حکم نکسیر سے ملانا اور اس کی نسبت ابن عمرؓ سے کرنا اس روایت کی نفی کرتا ہے جو ابن ابی شیبہ نے بکر ابن عبداللہ المزنی سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ .... (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حمید بن انس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے پچھنا لگوایا اور وضو نہیں کیا۔ اور پچھنے کی جگہ کو دھونے سے زیادہ اور کچھ نہ کیا(١) اور ابن جوزی نے ''حجۃ المخالف'' میں اس کی روایت کی ہے اور اسے ضعیف نہیں کہا ہے۔

حالانکہ ان کی عادت یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے جرح کرتے ہیں۔(٢)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)...... میں نے ابن عمرؓ کو دیکھا انہوں نے اپنے چہرے کی ایک پھنسی اکھیڑ دی اور اس سے کچھ خون نکل آیا چنانچہ آپ نے اپنی انگلی سے اسے رگڑ دیا پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا''
اور اس کی سند صحیح ہے۔

(١) اس کی تخریج دار قطنی (ص ٥٥، ٥٧) نے صالح بن مقاتل کے طریق سے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے بتایا اُبی نے اور انہیں بتایا سلیمان بن داؤد ابو ایوب نے حمید کے واسطے سے اور ان کے الفاظ یہ ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پچھنا لگوایا، نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا اور پچھنے کی جگہوں کو دھونے سے زیادہ اور کچھ نہ کیا''

اور دار قطنی کے طریق سے بیہقی نے اس کی تخریج کی ہے (١:١٤١) اور کہا ہے: اس کی سند میں ضعیف لوگ ہیں۔

میں کہتا ہوں: اور اس سے انکی مراد صالح اور ان کے باپ سلیمان ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ''لسان المیز ان'' میں لکھا ہے اور دار قطنی کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے صالح کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ''قوی نہیں ہیں ابن نافع کے شیوخ میں سے ہیں''۔ اور زیلعی نے ''نصب الروایہ'' (١:٤٣) میں لکھا ہے کہ ''دار قطنی کہتے ہیں: صالح بن مقاتل قوی نہیں ہیں اور ان کے باپ غیر معروف ہیں اور سلیمان بن داود مجہول ہیں۔''

حافظ نے ''تلخیص الحبیر'' (ص ٤١) میں کہا ہے کہ:

''اس سند میں صالح بن مقاتل ہیں اور وہ ضعیف ہیں اور ابن عربی نے دعویٰ کیا ہے کہ دار قطنی نے اسے صحیح کہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے ''السنن'' میں اس کے بعد ہی کہا ہے کہ صالح بن مقاتل قوی نہیں ہیں اور نووی نے ان کا تذکرہ ضعیف کی فصل میں کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے دار قطنی کے بارے میں جو لکھا ہے میں اسے ''السنن'' میں اشارہ کردہ دونوں جگہوں پر حدیث کے بعد نہ پا سکا شاید انہوں نے کسی تیسری جگہ اس کا ذکر کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

(٢) میں کہتا ہوں: ابن جوزی کی یہ عادت معمول نہیں ہے اس لیے کہ بیشتر وہ حدیث کے کمزور ہونے کے باوجود اس کے سلسلے میں خاموش رہتے ہیں خاص طور سے جب ان کے مسلک کی تائید میں ہو۔ یہ حدیث ان کے مسلک کے خلاف ہے۔ حیرت ہے کہ اس حدیث کے کمزور ہونے اور اس کی بہت سی علتیں ہونے کے باوجود اس پر خاموش رہے۔ ...... (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رہی وہ حدیث جو روایت کرتی ہے کہ "تین چیزیں روزہ نہیں توڑتی ہیں: قے، پچھنا لگوانا اور احتلام"، اور دوسری روایت میں ہے کہ "ہرگز روزہ نہ توڑیں نہ وہ جو قے کر دیں، نہ وہ جنہیں احتلام آ جائے، نہ وہ جو پچھنا لگوا لیں۔" تو اس کی ثابت سند وہ ہے جو ثوری اور دوسرے لوگوں نے زید بن اسلم کے واسطہ سے پھر ان کے کسی ساتھی کے واسطہ سے پھر کسی صحابی رسول ؐ کے واسطہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں: کہ اللہ کے رسول ؐ نے یہ فرمایا اس کی روایت ابوداؤد نے کی ہے اور یہ شخص گمنام ہے۔(۱) اس کی روایت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے انہوں نے عطا سے انہوں نے ابوسعید سے انہوں نے نبی ﷺ سے کی ہے لیکن عبدالرحمان علم رجال کے ماہرین کے نزدیک ضعیف ہیں (۲)

میں کہتا ہوں: دو سلسلوں سے ان کی زید سے مرفوع روایت ان کی مرسل روایت کی مخالف

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

اور اس سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ شیخ الاسلام کو ان کی خاموشی سے حدیث کی صحت کی غلط فہمی ہو گئی اور ان کی پیروی ان کے شاگرد علامہ محمد بن عبدالہادی نے کی ہے جنہوں نے اپنی کتاب "تنقیح التحقیق لا بن الجوزی" میں ابن الجوزی کے سکوت پر ان کا ساتھ دیا ہے (۱:۱۳۵) پھر فقہی نقطہ نظر سے بھی ابن جوزی کی موافقت میں انہوں نے جواب دیا ہے اور لکھا ہے۔

"ہمارے ساتھی کہتے ہیں اس بات کا احتمال ہے کہ آپ ؐ نے وضو کیا ہو اور انس نے آپ کو وضو کرتے نہ دیکھا ہو اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ ؐ نے بھول کر نماز پڑھ لی ہو! اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اتنا خون نہ نکلا ہو جو روزہ توڑ دے" یہ سارے احتمالات باطل ہیں۔ ضعیف کے ضعیف ہونے کا علم دے کر اللہ نے ہمیں اس کے ابطال کے لیے وقت لگانے سے بچا لیا۔ والحمد للہ علی توفیقہ۔

(۱) "نصب الرأیة" (۲:۴۴۸) میں ابوداود کی سند سے یہ شخص ساقط ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہیں صحت سند کا وہم ہو گیا ہے۔ اس سے واقفیت ضروری ہے۔

(۲) بلکہ یہ حد درجہ ضعیف ہیں اور یہ حدیث توسل آدم بالنبی کے راوی ہیں۔ جیسا کہ میں نے ان کا تذکرہ "الا حادیث الضعیفۃ والموضوعۃ" ۲۵ میں کیا ہے۔

نہیں ہے بلکہ اسے تقویت دیتی ہے(۱) اور حدیث زید بن اسلم کے واسطے سے صحیح ہے۔ لیکن

---

(۱) میں کہتا ہوں یہ قابل غور ہے اس لیئے کہ عبدالرحمٰن بن زید حد درجہ ضعیف ہیں جیسا کہ ابھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ امام طحاوی کہتے ہیں: "ان کی حدیثیں علماء حدیث کے نزدیک انتہا درجہ کی کمزور ہیں" اور نصب الرأیة (۲:۴۴۷) کے مطابق ابن المدینی، ابن سعد اور ابن البزار نے انہیں بہت ضعیف کہا ہے اس لیے جب موقع آتا ہے تو ان سے استدلال نہیں کیا جاتا اور یہ انہیں صحیح سمجھا جا سکتا ہے۔ جب کہ انہوں نے ثوری جیسے ثقہ حافظ کی مخالفت کی ہے، جس آدمی کے بارے میں لوگوں کو ابہام تھا اسے انہوں نے عطا کا نام دیا ہے اور اس نام پر ہشام بن سعد نے ان کی موافقت کی ہے۔ لیکن صحابی کے نام کے سلسلے میں ان کی مخالفت کی ہے ثوری کہتے ہیں کہ زید بن اسلم کے واسطہ سے پھر عطا ابن یسار کے واسطہ سے پھر ابن عباس کے واسطہ سے مرفوع حدیث ہے۔

دار قطنی (۲۳۹) نے اور ابن عدی نے "کامل" (ق ۲:۱۵۹) میں اور ابو محمد المخلد نے الفوائد (ق ۱:۲۸۹) میں اس کی تخریج کی ہے اور اسی طرح بزار نے دو طریقوں سے روایت کی ہے عن أبی خالد الأحمر سلیمان بن حیان عن هشام اور ابن عدی نے کہا ہے:۔

"حدیث ہشام کے علاوہ مجھے اس اسناد کے بارے میں کوئی علم نہیں" میں کہتا ہوں: اگر چہ اس کی تخریج مسلم نے کی ہے لیکن لوگوں نے ان کی حفظ کے سلسلے میں کلام کیا ہے اس لیئے مخالفت کے وقت ان سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیئے حدیث کا ذکر کرنے کے بعد الحافظ "التلخیص" (ص ۱۹۰) میں کہتے ہیں: یہ معلول ہے یعنی ان کی طرف انگلی اٹھتی ہے اور حافظ ہیثمی نے "المجمع" (۳:۱۷۰) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"بزار نے دو سندوں سے اس کی روایت کی ہے ان میں سے ایک کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کا ظاہر صحت ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ اگر مخالفت نہ ہوتی تو صحیح تھی۔

لیکن اس حدیث کی شاہد حدیث ثوبان ہے اور ان سے اس حدیث کے دو طرق ہیں ۱۔ عن یزید بن عیاض عن ابی علی الفدکی عن ابی قاسم ابی عبدالرحمن عنه۔ طبرانی نے "الاوسط" (۱:۱۰۱-۱۰۲) میں اس کی تخریج کی ہے اور کہا ہے کہ "ثوبان سے صرف اسی سند کے ساتھ یہ مروی ہے۔

"میں کہتا ہوں: حافظ کہتے ہیں: "یہ کمزور سند ہے" اور میں کہتا ہوں کہ بہت ہی کمزور سند ہے اس لیئے کہ ابن عیاض پرلے درجے کا جھوٹا آدمی ہے جیسا کہ امام مالک وغیرہ نے کہا ہے ۲۔ عن ابی صالح عبدالله بن صالح عن اللیث عن خالد بن یزید عن سعید بن أبی هلال عن ابن خصیفه ابن عن ابن عدی عنه۔ اس طریق کی تخریج طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱:۱۴۷-۲) میں کی ہے۔ ابن خصیفہ یزید بن عبداللہ بن خصیفہ کے طبقہ سے ہیں جس کی صحاح ستہ نے تخریج کی ہے اگر وہ نہیں تو مجھے نہیں معلوم پھر مجھے معلوم ہوا کہ یہ ابن جعدبۃ کا بدلا ہوا نام ہے۔ اس لئے کہ اس کی تخریج "الرویانی" نے اپنی مسند (ج ۲۵:۱۳۴) میں عن ابی صالح بسنده عن ابی هلال عن ابن جعدبة اللیثی کی ہے اور ابن جعدبتہ وہی یزید بن عیاض ہے جو پہلے طریق میں ہے۔ گھوم کر بات وہیں آئی کہ یہ حدیث پرلے درجے کے جھوٹے شخص سے مروی ہے۔ اس لیئے اس سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔

اس میں الفاظ یہ ہیں۔ جب اسے قے آجائے (اِذَا ذَرَعَهُ الْقَیٴُ)(۱) متعدد لوگوں نے زید بن اسلم سے اس کی مرسل روایت کی ہے۔

یحیی بن معین کہتے ہیں: حدیث زید بن اسلم کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ جسے قے آجائے اس لئے کہ اسے احتلام سے ملا دیا ہے اور جس شخص کو بغیر اختیار کے احتلام ہو جائے جیسے سونے کی حالت میں تو یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

رہی حجامت (پچھنا لگوانا) کی حدیث تو یا تو ابن عباسؓ کی مندرجہ ذیل حدیث کیلئے ناسخ ہو گی یا منسوخ وہ حدیث یہ ہے کہ "انہوں نے پچھنا لگوایا اور حالت احرام میں روزے سے تھے(۲)" اور اس میں قے کا لفظ استعمال ہوا ہے اگر اسے استقاءۃ (جان بوجھ کر قے کرنا) کے معنی میں لے لیں تو شاید وہ منسوخ بھی ہو جائے اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ پچھنا لگوانے سے آپ نے جو روکا تھا وہ بعد کے دور کا ہے اور جب قولی اور عملی نصوص میں تضاد ہو جائے اور ان میں سے کسی کو ایک اختیار کرنا اور دوسرے کو چھوڑنا پڑے تو قولی نص ہی کو ناسخ ماننا پڑے گا اور ان میں سے کسی کو ناسخ یا منسوخ امانت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی مثل دوسری روایات بھی ناسخ یا منسوخ ہو جائینگی (۳)۔

---

(۱) میرے پاس جو اصول احادیث ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ اضافہ مجھے نہیں ملا بیہقی نے "المعرفۃ" میں لکھا ہے جیسا کہ "نصب الرایۃ" (۲:۴۴۶) میں ہے: اس حدیث کو معمول کیا جائے گا اس شخص پر جسے قے آجائے تا کہ دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق ہو سکے۔ "اگر یہ اضافہ حدیث زید بن اسلم کے کسی طریق میں ہوتا تو بیہقی ایسا کیوں کہتے۔ واللہ اعلم۔

(۲) حدیث کے یہ الفاظ بعض راویوں کے وہم کا نتیجہ ہیں۔ صحیح الفاظ یہ ہیں "آپؐ نے پچھنا لگوایا اور وہ حالت احرام میں تھے" آپؐ نے پچھنا لگوایا اور آپ روزے سے تھے جیسا کہ بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث پر تبصرہ و حاشیہ میں اس کا ذکر آئے گا جہاں مصنف نے اسے لفظ "صحیح" سے منسوب کیا ہے۔ اس رسالہ کے اختتام سے چند صفحات پہلے۔

(۳) وَاَمَّا حدیث الحجامۃ سے لے کر نسخ قرینۃ تک کی ساتوں سطریں اصل میں لکن ھذا فیہ اذا ذرعہ القیٴ کے بعد تھیں لیکن ہم نے اسے یہاں منتقل کر دیا کہ یہی زیادہ مناسب تھا۔

رہا وہ شخص جو منی نکالنے کی کوشش کرے اور انزال ہو جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

احتلام کے لفظ کا اطلاق اس حالت پر ہوتا ہے جب سوتے میں منی گر جائے۔

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ قیاس تو یہ کہتا ہے کہ خارج ہونے والی کسی چیز سے روزہ نہیں ٹوٹنا چاہیے اور جان بوجھ کر قے کرنے والے کا روزہ اس لیئے ٹوٹ جاتا ہے کہ کچھ کھانے کے لوٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ حائضہ عورت کا روزہ ٹوٹ جانا بھی خلاف قیاس ہے۔

ہم نے اصول میں تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو قیاس صحیح کے خلاف ہو۔

اگر یہ کہا جاتا ہے کہ: تم لوگ کہتے ہو کہ بغیر عذر کے جان بوجھ کر روزہ توڑ دینا کبائر میں شامل ہے اسی طرح جو شخص بغیر کسی عذر کے دن کی نماز رات تک ٹال دیتا ہے تو وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ علماء کے نمایاں تر قول کے مطابق۔ جیسے کوئی شخص جمعہ چھوڑ دے اور رمی جمار فوت کر دے اور دوسری متعین عبادات کو نظر انداز کر دے تو ان سب کی قضا کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ روایت بھی آتی ہے کہ رمضان میں جماع کرنیوالے پر قضا واجب ہے۔؟

تو کہا جائے گا کہ قضا کا حکم اس لیئے دیا جاتا ہے کہ انسان کسی عذر کی وجہ سے قے کرتا ہے جیسے مریض کو قے کے ذریعہ علاج کرنا پڑتا ہے یا انسان اس وقت قے کرتا ہے جب اسے شبہ ہو کہ اس نے کیا چیز کھالی ہے جیسا کہ ابوبکرؓ (۱) نے کہانت کی کمائی کو قے کر دیا تھا۔

اگر قے کرنے والا معذور ہو تو اس کا یہ فعل جائز ہے اور اس کا شمار ان مریضوں میں ہو گیا جو قضا کرتے ہیں اور کبائر کا ارتکاب کرنے والوں میں اس کا نام نہیں آئے گا۔ جو بغیر کسی عذر کے روزہ توڑ دیتے ہیں۔ رہا شب باشی کے لیئے قضا کا حکم تو یہ حدیث ضعیف ہے اور اسے بہتیرے

---

(۱) سید رشید رضا کہتے ہیں: بخاری نے حدیث عائشہؓ روایت کی ہے کہ "ابوبکرؓ کے پاس ایک غلام تھا جو کما کر لاتا تھا اور آپ اسے کھاتے تھے۔ ایک دن وہ کچھ لے آیا اور آپ نے اسے کھالیا۔ تب غلام نے کہا: جانتے ہیں وہ کیا چیز تھی؟ آپ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: دور جاہلیت میں آپ نے کسی آدمی کے لیے کہانت کی تھی (اسی نے یہ دیا ہے) آپ نے اپنی انگلی منہ میں ڈالی اور قے کر دی۔"

حفاظ حدیث نے ضعیف کہا ہے۔ صحیحین میں ابوھریرہؓ اور عائشہؓ کی احادیث ہیں اور متعدد سلسلوں کی ہیں لیکن کسی میں قضا کا حکم نہیں ہے۔ (۱) اگر آپؐ نے قضا کا حکم دیا ہوتا تو یہ لوگ اسے نظر انداز ہر

---

(۱) یہ قابل غور ہے اس لیے کہ متعدد لوگوں نے اس کا ذکر کیا ہے اور اصل حدیث صحیحین اور دوسری کتابوں میں زہری کے طرق سے ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے حمید بن عبدالرحمٰن نے بتایا کہ ابوہریرہؓ نے فرمایا:

''ایک دن ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں ہلاک ہوگیا۔ آپؐ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا! کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں راوی کہتے ہیں کہ وہ ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ کی خدمت میں کھجور کی ایک ٹوکری پیش کی گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: پوچھنے والا کہاں گیا؟۔ اس نے کہا: میں ہوں آپؐ نے کہا: اس ٹوکری کو صدقہ کردو۔ اس آدمی نے کہا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھ سے زیادہ محتاج کون ہے؟ بخدا ان دونوں پہاڑیوں کے بیچ میں کوئی گھرانہ میرے گھر سے زیادہ محتاج اور مفلس نہیں ہے۔ نبی ﷺ ہنس پڑے یہاں تک آپ ﷺ کے دانت نظر آ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا اسے اپنے گھر والوں کو کھلا دو'' سیاق کلام بخاری کا ہے۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) اور بیہقی (۲۲۶:۴) نے ابو مروان کے طریق سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں ہمیں بتایا ابراہیم بن سعد نے اور وہ کہتے ہیں مجھے بتایا لیث بن سعد نے زہری کے واسطے سے سند وہی ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے کہا: اس کی جگہ تم ایک دن کا روزہ رکھو۔ اور بیہقی کہتے ہیں۔

اور اسی طرح ہے عن عبدالعزیز الدراوردی عن ابراھیم ابن سعد اور ابراہیم بن سعد نے زہری سے حدیث سنی ہے لیکن انہوں نے ان الفاظ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بس لیث بن سعد بواسطہ زہری اور ابو اویس المدنی بواسطہ زہری ان الفاظ کا پتہ چلتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ابو مروان کا نام محمد بن عثمان بن خالد اموی ہے اور وہ سچے ہیں لیکن غلطی کر جاتے ہیں لیکن دراوردی نے ان کی موافقت کی ہے۔ جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ اس طرح وہ خطا سے محفوظ ہو گئے۔ اسی طرح ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں ابراہیم بن سعد کے واسطہ سے تخریج کی ہے جیسا کہ ''التلخیص'' میں ہے اور ابو اویس کی روایت کی تخریج دار قطنی (۲۵۱) اور بیہقی نے کی ہے اور ابو اویس کا نام عبداللہ بن عبداللہ بن اویس ہے اور وہ سچے ہیں لیکن وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان سے مسلم نے استدلال کیا ہے۔

ان کی موافقت عبدالجبار بن عمر الایلی نے کی ہے اور وہ قوی نہیں ہیں جیسا کہ بیہقی نے کہا ہے ان کی متابعت ہشام بن سعد نے بھی کی ہے۔ البتہ حمید بن عبدالرحمٰن کی جگہ ابو مسلمہ بن عبدالرحمٰن کا نام لیا ہے۔ اس کی تخریج ابو داود (۲۳۹۳) نے دار قطنی نے (۲۵۲) بیہقی (۲۲۶:۴ ۔ ۲۲۷) نے کی ہے اور ہشام کے اندر حافظہ کے اعتبار سے ضعف پایا جاتا ہے۔ جس کا تذکرہ پیچھے آ چکا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گز نہ کرتے کیونکہ یہ ایک شرعی حکم تھا جس کی وضاحت واجب تھی۔ جب آپ ﷺ نے قضا کا حکم نہیں دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قضا قبول نہ ہوگی۔ اس کا مفہوم یہ ہوگا اس نے بھول کر یا نادانستہ نہیں بلکہ جان بوجھ کر روزہ توڑا ہے۔

جو بھول چوک کر شب باشی کر لے اسکے سلسلہ میں احمد اور دوسروں کے ہاں تین اقوال ملتے ہیں اور تین روایات بھی ہیں۔

(۱) نہ کوئی قضا ہے نہ کفارہ اور یہ شافعیؒ ابوحنیفہ اور بہتیرے لوگوں کا قول ہے۔

(۲) اس پر قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔ امام مالک کا قول ہے۔

(۳) اس پر کفارہ بھی ہے اور قضا بھی۔ اور یہ امام احمد کا مشہور قول ہے۔

پہلا قول بالکل واضح ہے اور وہ اپنی جگہ پر بالکل نمایاں ہے اس لیئے کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ جو شخص کسی پابندی کو غلطی سے یا بھول کر توڑ ڈالے تو اللہ اس کا مواخذہ نہیں کریگا اس وقت اس کی حیثیت گویا غلطی نہ کرنے والے کی ہوئی۔ اس لیئے اس پر کوئی گناہ بھی نہیں آئے گا اور جس پر کوئی گناہ نہ آئے اسے نافرمان یا ممنوع حکم کا مرتکب کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اس وقت اس کی حیثیت یہ ہوئی کہ اس نے مامور پر عمل کیا اور ممنوع کو ترک کر دیا اس طرح کی غلطی سے عبادت باطل نہیں ہوتی۔ عبادت اس وقت باطل ہوتی ہے جب کسی حکم کو انجام نہ دیا جائے یا ممنوعہ احکام کا ارتکاب کر ڈالا جائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بھول کر یا غلطی سے حج کی پابندیاں ٹوٹ جائیں تو حج باطل نہیں ہوتا یہاں تک کہ بھول کر یا نادانستہ جماع کر لینے سے بھی، یہی امام شافعی کا واضح ترین قول ہے۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

اور امام مالکؒ (۱:۲۹۷۔۲۹) کے یہاں سعد بن مسیب کی مرسل روایت اور نافع بن جبیر اور محمد بن کعب کی مرسل کی شہادت ملتی ہے۔ آخر الذکر دونوں مرسل روایت کا تذکرہ حافظ نے الفتح (۴۔۱۵۰) میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ "ان تمام طرق کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اضافہ کی اصل ہے۔"

کفارہ اور فدیہ تو اس لیے واجب ہوتا ہے کہ جو چیز تلف ہوگئی ہے یہ اس کا بدل ہے جیسے اگر بچہ یا سونے والا یا مجنوں تلف کر دے تو اس کا تاوان اسے دینا پڑتا ہے۔ اور بھول کر یا نادانستہ شکار کرنے والے پر جو فدیہ واجب ہوتا ہے وہ دراصل غلطی سے قتل کرنے کی دیت کی منزلت میں ہے اور اس کے قتل سے واجب ہونے والا کفارہ قرآن اور اجماع کے نص سے ثابت غلطی ہے۔

رہیں دوسری پابندیاں تو وہ اس باب سے متعلق نہیں ہیں۔ جیسے ناخن تراشنا' مونچھ کاٹنا' خوشبو اور لباس کا استعمال وغیرہ۔ اگر وہ فدیہ دے گا تو یہ فدیہ ممنوعات کی فدیہ کی جنس سے ہوگی یہ شکار جو بدل پر مشتمل ہے' کی منزلت میں نہیں ہوگی بھول چوک کرنے والے اور نادان غلطی کر جانے والے کے سلسلے میں نمایاں اور واضح ترین فتویٰ یہ ہے کہ اگر وہ کوئی ممنوع کام کر ڈالے تو اسے شکار کو چھوڑ کر بقیہ کسی کا تاوان نہیں دینا ہے۔

اس میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں۔

ایک قول اوپر کا ہے جو اہل ظاہر کا قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نسیان کی حالت میں سب کا تاوان دینا ہوگا یہ ابوحنیفہ کا قول ہے امام احمد کا بھی ایک قول ہے اور قاضی اور ان کے ساتھیوں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ جن چیزوں میں اتلاف ہوتا ہے۔ جیسے شکار کا قتل' حلق کرانا' ناخن کاٹنا اور جن میں اتلاف اور بربادی نہیں ہوتی جیسے خوشبو اور لباس کا استعمال' ان دونوں کے درمیان فرق کیا جائے یہ امام شافعی کا قول ہے۔ امام احمد کا دوسرا قول ہے اور ان کے ساتھیوں کے گروہ نے اسے اختیار کیا ہے اور یہ قول دوسرے اقوال کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔ لیکن بال اور ناخن کا کاٹنا' لباس اور خوشبو سے متعلق ہے قتل صید سے نہیں۔ یہ زیادہ اچھا ہے۔

چوتھا قول یہ ہے: قتل صید ایک غلطی ہے جس پر کوئی تاوان نہیں ہے یہ امام احمد کا ایک اور قول ہے اس قول کی بنیاد پر بال اور ناخن بدرجہ اولیٰ نکل جاتے ہیں۔

اسی طرح اس کے حق میں یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ روزہ دار بھول چوک کر یا غلطی سے کھا لے یا پی لے یا شب باشی کر لے تو اس پر کوئی قضا واجب نہیں ہے یہ سلف وخلف کے ایک گروہ کا

قول ہے ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ بھول چوک کر یا غلطی سے ان چیزوں کے ارتکاب کرنے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسے امام مالکؒ ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں: یہ قیاس ہے لیکن اس کی مخالفت کی ہے بھول جانے والے کے حق میں۔ حدیث ابوہریرہؓ کے وارد ہونے کی وجہ سے (۱)۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ: بھول جانے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن غلطی کر جانے والے کا ٹوٹ جاتا ہے اور یہ ابوحنیفہ، شافعی اور احمد کا قول ہے۔ ابوحنیفہ بھول جانے والے کو استحسان کی جگہ میں رکھتے ہیں شافعیؒ مسلک کے پیرو اور احمد کہتے ہیں، نسیان سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس لیئے کہ اس سے بچنا ممکن ہی نہیں ہے لیکن اس کے برخلاف یہ ممکن ہے کہ اس وقت تک افطار نہ کرے جب تک سورج کے غروب ہو جانے کا اسے یقین نہ ہو جائے اور جب بھی طلوع فجر کا اسے شک ہو کھانا پینا روک دے۔

یہ تفریق کمزور ہے۔ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس لیے کہ روزہ دار کے لیئے سنت یہ ہے کہ افطار میں جلدی کرے، اور سحری میں تاخیر کرے اور جب بدلی چھائی ہوئی ہو تو وہ یقین حاصل نہیں ہو سکتا جس میں شک نہ شامل ہو اِلاّ یہ کہ لمبا وقت گزر جائے جس میں مغرب کی نماز بھی فوت ہونے لگے اور اسکے ساتھ افطار میں جلدی کرنے کا حکم بھی فوت ہو جائے گا مغرب کی نماز کی جلد ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے اگر اس پر غروب آفتاب کے سلسلے میں شک ہو جائے تو یقین کی حد تک مغرب کو موخر کرے گا اور بسا اوقات شفق کے غروب تک وہ اسے موخر کر دے گا لیکن اسے غروب آفتاب کا یقین نہ آ سکے گا۔

ابراہیم نخعیؒ اور دوسرے اسلاف سے منقول ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے کہ بدلی کے دنوں میں لوگ مغرب کو دیر سے پڑھنا اور عشاء کو جلد پڑھ لینا مستحب سمجھتے تھے۔ اسی طرح ظہر کو آخری وقت میں اور عصر کو اول وقت میں ادا کرتے تھے اور احمد اور دوسرے لوگوں نے اسی کو

---

(۱) حدیث کے الفاظ ہیں "اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: روزے کی حالت میں جو بھول جائے اور کھالے یا پی لے تو وہ اپنا رزہ پورا کرلے اس لیئے کہ اسے اللہ نے کھلا دیا اور پلا دیا ہے۔" متفق علیہ۔

اختیار کیا ہے۔ان کے بعض ساتھیوں نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ احتیاط کے پیش نظر ایسا کرتے تھے لیکن معاملہ یوں نہیں ہے اس لیئے کہ عصر اور عشاء میں تو یہ چیز احتیاط کے خلاف معلوم ہوتی ہے، یہ جمع بین الصلاتین اس لیئے مسنون ہے کہ ان دو نمازوں کو عذر کی وجہ سے اکٹھا کر لیا جاتا ہے اور بدلی بھی عذر کے قائم مقام ہے۔اس لیئے پہلی نماز بالکل آخری وقت میں اور دوسری نماز بالکل اولین وقت میں ادا کی جاتی تھی اور اس میں دو مصلحتیں تھیں۔

۱۔ تاکہ لوگوں کو آسانی ہو جائے اور بارش کے خوف سے ایک ہی بار انہیں ادا کر لیں جس طرح کہ بارش کی حالت میں ادا کرتے ہیں۔

۲۔ مغرب کے وقت کا ہو جانا یقینی ہو جائے۔اسی طرح ظہر اور عصر کو واضح تر قول کے مطابق جمع کرتے تھے اور یہی امام احمد سے بھی ایک روایت آتی ہے۔ان دونوں نمازوں کو کیچڑ اور بارش اور سخت ٹھنڈک کی وجہ سے جمع کرتے تھے یہی علماء کا واضح تر قول ہے اور امام مالک کا قول یہی ہے اور امام احمد کے مسلک میں بھی واضح ترین یہی قول ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ عصر اور عشاء کو مقدم کرنے کی غلطی، ظہر اور مغرب کو مقدم کرنے کی غلطی سے بہتر ہے۔اگر آخر الذکر دونوں نمازوں کو وقت سے پہلے ادا کر لے تو کسی حال میں وہ جائز نہ ہوگی۔اس کے خلاف ظہر اور مغرب کے اوقات میں ان دونوں نمازوں کی ادائیگی جائز ہے اس لیئے کہ معذوری کی حالت میں وہی ان کا وقت ہے اور اشتباہ کی حالت معذوری کی حالت ہے اس لئے اشتباہ کے ساتھ جو دو نمازوں کو جمع کرنا بہتر ہے اس سے کہ شک کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے۔

یہ ہے وہ احتیاط جس کا اوپر تذکرہ ہوا ہے لیکن یہ احتیاط وقت مشترک میں نماز کے تیقن کے ساتھ ہے۔آپ دیکھتے نہیں کہ فجر میں استحباب کا کہیں ذکر نہیں ہے نہ ہی عشاء اور عصر میں۔اگر اس اندیشہ کی وجہ سے جمع کیا جاتا کہ کہیں نماز وقت سے پہلے نہ ہو جائے تو فجر میں بھی اور عشاء میں بھی اس کو اپنایا جاتا۔

جب کہ احادیث میں بدلی کے دن عصر کی نماز پہلے پڑھ لینے کا حکم ہے اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں "بدلی کے دن نماز جلد ادا کر لو اس لیئے کہ جس نے عصر کی نماز ترک کر دی تو اس کا سارا

کیا کرایا غارت ہوگیا''۔(۱)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ: اگر بدلی کے دن مغرب کی نماز تاخیر کے ساتھ پڑھنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے تو افطار کو بھی اسی طرح موخر کرنا چاہیے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ مغرب کی تاخیر عشاء کی تقدیم کے ساتھ اس طرح مستحب ہے کہ شفق غائب ہونے سے پہلے اسے پڑھ لے اگر اسے اتنی دیر تک مؤخر کردیا گیا کہ شفق غائب ہو جائے تو مستحب نہیں ہے اور اس حد تک افطار کو موخر کرنا مستحب نہیں ہے۔

اس لیئے بارش کے دن مسنون طریقہ یہی ہے کہ مغرب کے وقت میں تقدیم کر کے نماز پڑھی جائے' شفق کے غائب ہونے تک مغرب کو موخر کرنا مستحب نہیں ہے بلکہ اس میں لوگوں کے لیئے بڑی زحمت ہے۔ شریعت نے جمع کو اسی لیئے جائز کہا تا کہ مسلمان تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔

اور یہ بات بھی ہے کہ مستحب تقدیم وتاخیر یہ نہیں ہے کہ ان دونوں کو ملا دیا جائے بلکہ مستحب یہ ہے کہ ظہر کو موخر کیا جائے اور عصر کو مقدم کیا جائے چاہے ان دونوں کے درمیان زمانی فصل ہو اسی طرح مغرب اور عشاء میں ہو۔ اس طرح کہ لوگ ایک نماز پڑھ لیں اور دوسری کا انتظار کریں انہیں دوبارہ گھر جا کر واپس نہ آنا پڑے اسی طرح جمع کے جواز کے لیئے مسلسل نماز پڑھتے رہنا شرط نہیں ہے جس کا تذکرہ ہم نے۔ دوسرے مقامات پر کیا ہے۔

پھر صحیح البخاری میں اسماء بنت ابوبکرؓ سے صحیح وثابت حدیث ہے وہ کہتی ہیں کہ:

''رسول ﷺ کے زمانے میں بدلی کے دن رمضان میں ایک دن ہم نے افطار کیا پھر سورج نکل آیا

''اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: بدلی کے دن غروب کے یقینی ہونے تک افطار کو موخر کرنا مستحب نہیں ہے اس لیئے کہ صحابہ نے ایسا نہیں کیا اور نبی ﷺ نے انہیں اس کا حکم نہیں دیا اور اپنے

---

(۱) اس سیاق میں یہ حدیث کمزور ہے۔ اس کی تخریج احمد (۳٦۱:۵) نے ابن ماجہ (٦۹۴) نے بواسطہ اوزاعی یحیی ابن ابی کثیر بواسطہ ابو قلابہ بواسطہ المہاجر بواسطہ بریدہ کی ہے وہ کہتے ہیں ''ہم آپ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا" بکروا بالصّلوۃ فی یوم النعیم' فانہ من فاتتہ صلوۃ العصر فقد حبط عملہ (یعنی بدلی کے دن نماز اول وقت پر ادا کرو اس لیئے کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی اس کا سارا کیا کرایا غارت ہوگیا۔

دور کے نبیؐ کے ساتھی اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے متعلق بعد کے دور کے لوگوں سے زیادہ جانتے تھے اور سب سے زیادہ ان کی اطاعت کرتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قضا واجب نہیں ہے۔ اس لیئے کہ نبی ﷺ نے اگر قضا کا حکم دیا ہوتا تو یہ بات عام ہوتی اور یہ چیز منقل ہوتی جس طرح ان کا افطار کرنا منقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے۔ جب ایسی کوئی چیز منقول نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس کا حکم نہیں دیا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ: ہشام بن عروہ سے پوچھا گیا: کیا قضا کا حکم دیا گیا تھا۔؟ تو انہوں نے جواب دیا: کیا قضا سے نجات کی کوئی سبیل بھی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ہشام کی تنہا رائے ہے' جو انہوں نے حدیث کو سامنے رکھ کر دی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ معمر نے ان سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے ہشام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے نہیں معلوم لوگوں نے قضا کی تھی یا نہیں' انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور بخاری نے ان سے اس کا ذکر کیا ہے اور حدیث کی روایت انہوں نے انکی بیوی فاطمہ بنت المنذر اور انھوں نے اسماء سے کی ہے ہشام نے اپنے باپ عروہ سے روایت کی ہے کہ لوگوں کو قضا کا حکم نہیں دیا گیا تھا اور عروہ اپنے بیٹے سے زیادہ واقف حال تھے۔ یہ اسحاق بن راہویہ' کا قول ہے اور احمد نے کہا ہے "قیاس یہ ہے کہ وہ روزہ نہیں توڑے گا۔ ہم نے اسے صرف قول عمر کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا او راسحاق بن راہویہ' احمد بن حنبل کے ساتھی ہیں ان کے اصول وفروع ان کے مسلک کی موافقت میں ہیں اور ان دونوں کی اکثر مسائل میں مطابقت ہے اور کوسج نے اپنے مسائل احمد او راسحاق سے پوچھے۔ اسی طرح حرب کرمانی نے اپنے مسائل احمد اور اسحاق سے دریافت کیئے۔ اسی لیئے ترمذی احمد اور اسحاق کے قول کو جمع کرتے ہیں اور ان دونوں کے قول کی روایت کوسج کے مسائل سے کی گئی ہے۔

اسی طرح ابوزرعہ' ابوحاتم' ابن قتیبہ اور دوسرے آئمہ اہل سنت وحدیث احمد اور اسحاق کے مسلک کو سمجھتے تھے اور ان دونوں کے قول کو دوسرے تمام اقوال پر مقدم رکھتے تھے اور آئمہ حدیث جیسے بخاری' مسلم' ترمذی' نسائی' وغیرہ بھی ان دونوں کے پیروکاروں میں سے ہیں اور ان سے علم

وفقہ حاصل کیا ہے اور داؤد اسحاق کے ساتھیوں میں سے ہیں۔

احمد بن حنبل سے اسحاق کے بارے میں پوچھا جاتا تو کہتے: میں اسحاق سے پوچھتا ہوں ۔اسحاق مجھ سے پوچھتے ہیں۔

اور شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق، ابوعبید، ابوثور، محمد بن نصر المروزی داؤد بن علی اور دوسرے لوگ سب فقہاء حدیث ہیں۔رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اللہ تعالیٰ بھی اپنی کتاب میں کہتے ہیں۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (بقرة: ۱۸۷)

ترجمہ: (تمہارے لیئے روزے کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے وہ تمہارے لیئے لباس ہیں اور تم انکے لیئے لباس ہو۔اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، مگر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا، اور تم سے درگزر فرمایا۔اب تم اپنی بیویوں سے شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لیئے جائز کر دیا ہے اسے حاصل کرو نیز راتوں کو کھاؤ پیئو یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آ جائے۔تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں۔ان کے قریب نہ پھٹکنا، اسی طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لیئے بصراحت بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ وہ غلط رویئے سے بچیں گے)۔

نبی کریم ﷺ سے ثابت احادیث کے ساتھ یہ آیت بتاتی ہے کہ ظہور فجر تک کھانے پینے کا حکم دیا گیا ہے۔طلوع فجر میں شک ہونے کے باوجود کھانے پینے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر اس سلسلے میں تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔

فصل

سرمہ لگانا۔حقنہ (پاخانے کے راستے سے پیٹ تک دوا پہنچانا) کا استعمال کرنا۔تقطیر (پیشاب کے راستے سے اندر دوا داخل کرنا) ماموصہ (جس کا سر کچل دیا گیا ہو) اور جائفہ (ایسا زخم لگے جو پیٹ تک پہنچ جائے) کا علاج کرنا' یہ وہ چیزیں ہیں جن کے سلسلے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔

کچھ لوگ ان میں سے کسی چیز کو روزہ کے لیئے ناقص نہیں مانتے کچھ علماء سرمہ کو چھوڑ کر بقیہ تمام چیزوں کو ناقص روزہ کہتے ہیں کچھ لوگ تقطیر کے سوا ساری چیزوں کو ناقص کہتے ہیں اور کچھ اہل علم ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں۔ کہ سرمہ لگانے سے روزہ ٹوٹتا ہے نہ تقطیر سے اور بقیہ تمام چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے۔

سب سے واضح قول یہ ہے کہ ان میں سے کوئی چیز روزہ نہیں توڑتی اس لیئے کہ روزے کا تعلق دین اسلام سے ہے' جس کی خاص وعام تمام چیزوں کی معرفت ضروری ہے اگر یہ امور اللہ کے حرام کردہ ہوتے اور اللہ نے روزہ دار کو ان سے روکا ہوتا اور ان سے روزہ فاسد ہو جاتا تو رسول ﷺ کے اوپر واجب تھا کہ اس کی وضاحت کر جاتے اور اگر آپؐ نے اس کا ذکر کیا ہوتا تو صحابہؓ اس سے ضرور واقف ہوتے اور اسے امت تک پہنچاتے جس طرح شریعت کی تمام تفصیلات پہنچائی ہیں۔چونکہ کسی اہل علم نے نبیؐ سے اس سلسلے میں کچھ بھی نقل نہیں کیا نہ صحیح حدیث نہ ضعیف او رنہ مسند اور نہ مرسل' اس لیئے معلوم ہوا کہ آپؐ نے اس طرح کی کوئی چیز بیان نہیں کی۔سرمہ کے سلسلہ میں جو حدیث مروی ہے وہ کمزور ہے' ابوداود نے سنن میں اس کی روایت کی ہے' اور ان کے علاوہ کسی دوسرے نے اس حدیث کی روایت نہیں کی نہ وہ مسند احمد میں نہ دوسری معتمد کتابوں میں۔

ابوداود کہتے ہیں حدثنا النفیلی' ثنا علی بن ثابت قال حدثنی

عبدالرحمن بن النعمان (۱) بن معبد بن هوذة عن ابيه عن جدة عن النبی ؐ "آپ نے سوتے وقت اثمد (ایک قسم کا پتھر جس سے سرمہ تیار کیا جاتا ہے) استعمال کرنے کا حکم دیا کہ یہ راحت بخش ہے اور فرمایا "روزہ دار کو اس سے بچنا چاہیے۔" اور ابوداؤد کہتے ہیں: مجھ سے یحیٰی بن معین نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔

المنذری کہتے ہیں: اور عبدالرحمٰن ضعیف ہیں۔ اور ابوحاتم رازی کہتے ہیں: وہ سچے ہیں لیکن کون ان کے والد اور ان کی عدالت اور ان کے حافظے کے متعلق جانتا ہے؟

یہی حال معبد کا ہے۔ یہ ایک دوسری ضعیف حدیث سے ٹکرا رہی ہے جس کی روایت الترمذی نے اس کی سند کے ساتھ الحسن بن مالک سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہمیں ابوعلیٰ بن واصل نے بتایا' وہ کہتے ہیں ہمیں حسن بن عطیہ نے بتایا انہیں ابوعاتکہ نے بتایا انس بن مالک کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ: ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے سوال کیا: میری دونوں آنکھوں میں تکلیف ہے کیا میں روزہ ہوتے ہوئے سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ ؐ نے فرمایا: "ہاں" ترمذی کہتے ہیں اس کی سند قوی نہیں ہے اور نبی ﷺ سے اس باب میں کچھ بھی منقول نہیں ہے اور ابوعاتکہ ضعیف ہیں۔ یہ ترمذی کی باتیں ہیں۔ اس شخص کے سلسلے میں بخاری کہتے ہیں کہ "یہ منکر حدیث ہے" اور نسائی کہتے ہیں کہ: ثقہ نہیں ہے۔ اور رازی کہتے ہیں کہ "اس سے حدیثیں غائب ہو جاتی ہیں۔ (۲)

---

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کی علت العمان بن معبد ہیں جیسا کہ اس کی طرف المنذری نے اشارہ کیا ہے اور وہ ان کے بقول "غیر معروف" ہیں اور تقریب" میں "انہیں مجہول الحال" کہا گیا ہے۔

(۲) میں کہتا ہوں: اس کا نام طریف بن سلیمان یا سلیمان بن طریف ہے الحافظ اس کے بارے میں کہتے ہیں: ضعیف ہے اور سلیمان نے اس میں مبالغہ کیا ہے۔" میں کہتا ہوں کہ امام بخاری ان سے بھی آگے ہیں کیونکہ وہ اس شخص کو منکر حدیث کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ ذہبی کی "المیزان "اور حافظ ابن کثیر کی "اختصار علوم الحدیث" وغیرہ میں ہے۔

یہ حدیث ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے جس میں انس ؓ کا فعل ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں سرمہ لگاتے تھے' ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے اور حافظ "تلخیص" میں کہتے ہیں کہ "حرج نہیں کہ اسے قبول کر لیا جائے۔" (ص ۱۸۹)

اور جولوگ کہتے ہیں کہ: حقنہ لینا اور مامونہ اور جائفہ کا علاج کرنے سے روزہ ٹوٹتا ہے ان کے پاس نبی ﷺ کی جانب سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ انہوں نے محض قیاس سے کام لے کر اس رائے کا اظہار کیا ہے ان کی سب سے مضبوط دلیل جس سے وہ استدلال کرتے ہیں یہ ہے۔ ''ناک میں پانی خوب ڈال لیا کرو الا یہ کہ تم روزے سے ہو'' (حدیث) اس سے انہوں نے یہ بات نکالی کہ دماغ تک جو بھی چیز پہنچے روزہ توڑ دے گی۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جو چیز پیٹ میں پہنچ جائے روزہ توڑ دے گی جیسے حقنہ، تقطیر وغیرہ چاہے وہ کھانے اور غذا کی جگہ جائے یا پیٹ کے اندر کہیں اور جائے۔

جن لوگوں نے تقطیر کو مستثنیٰ کیا ہے وہ کہتے ہیں: تقطیر پیٹ تک اثر نہیں کرتی اس میں تو صرف ٹپکایا جاتا ہے۔ احلیل (پیشاب کا سوراخ) میں جانے والی چیز ایسی ہی ہے جیسے ناک یا منہ میں چلی جائے۔

جنہوں نے سرمہ کو مستثنیٰ کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ: آنکھ قبل (آگے کی شرمگاہ) اور دبر (پیچھے کی شرمگاہ) کی طرح گزرگاہ نہیں ہے بلکہ وہ سرمہ پی لیتی ہے جسم تیل اور پانی پی لیتا ہے۔

اور جو سرمہ کو ناقص روزہ کہتے ہیں وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ سرمہ انسان کے اندر تک نفوذ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کی ناک سے پانی بہنے لگتا ہے اس لیے کہ آنکھ کے اندر وہ گزرگاہ ہے جو حلق کے اندر تک جاتی ہے۔

جب لوگوں کی دلیل اس طرح کے قیاسات ہیں تو ان کی وجہ سے متعدد اسباب کی روشنی میں روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

پہلا سبب یہ ہے کہ قیاس اگر حجت ہے تو اسے صحت کی شرائط پوری کرنی چاہیے۔ ہم اصول میں کہہ چکے ہیں کہ نصوص نے تمام شرعی احکام کی وضاحت کردی ہے اگر چہ اس پر قیاس صحیح ہلکے انداز میں دلالت کر رہا ہو۔

جب ہمیں معلوم ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے کسی چیز کو حرام نہیں کہا ہے نہ اسے واجب کیا ہے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ حرام ہے نہ واجب اور یہ کہ اس کے وجوب یا تحریم کو ثابت کرنے والا

قیاس فاسد ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ کتاب وسنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو ان چیزوں کے روزہ توڑ دینے پر دلالت کرتی ہو تو اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ یہ چیزیں روزہ کو نہیں توڑتی ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ جن احکام کی معرفت امت کے لیے ضروری تھی ان کی عام وضاحت رسول اکرم ﷺ کے لیئے ناگزیر تھی اور ضروری تھا کہ امت اسے نقل کرے جب ایسی بات نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ دین میں شامل نہیں ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ جیسا کہ معلوم ہے رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں روزہ رکھنا فرض نہیں قرار دیا گیا بیت الحرام کو چھوڑ کر کسی اور گھر کا قصد کرنا واجب نہیں ہے۔ رات ودن میں صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔ محض عورت کی ملاقات کی وجہ سے (مباشرت اور انزال کے بغیر) غسل کو واجب نہیں کیا گیا نہ بڑی گھبراہٹ اور خوف کی وجہ سے وضو کو واجب کیا گیا (اگرچہ خروج کا اندیشہ رہتا ہے) نہ صفا ومروہ کے درمیان سعی کے بعد دو رکعتیں مسنون قرار دی گیئں۔ جس طرح کہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد دو رکعتوں کی ادائیگی مسنون ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منی نجس نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسی سلسلے میں کسی سے کوئی ایسی سند منقول نہیں ہے جس سے استدلال کیا جا سکے کہ آپ ﷺ نے مسلمان کو منی سے اپنے بدن اور کپڑے دھونے کا حکم دیا ہو اگرچہ اس کی عام ضرورت پیش آتی رہتی ہے بلکہ آپؐ نے حائضہ عورت کو حکم دیا چونکہ ضرورت کم ہی پڑتی ہے اس لیے حیض کے خون سے اپنی قمیض دھولے بلکہ مسلمانوں کو یہ حکم نہیں دیا ہے کہ منی سے اپنے کپڑوں اور جسموں کو صاف کرلیں۔

وہ حدیث جسے بعض فقہاء نے روایت کیا ہے کہ: ''پیشاب پاخانہ' منی' مذی' اور خون سے کپڑے دھو لیئے جائیں'' تو یہ نبی ﷺ کا کلام نہیں ہے نہ معتمد حدیث کی کتابوں میں درج ہے نہ علماء حدیث میں سے کسی نے ایسی سند کے ساتھ اس کی روایت کی ہے جس سے استدلال کیا

جا سکے (۱) اور عمار سے روایت کی گئی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ ان کا قول ہے کہ: حضرت عائشہؓ نے منی لگنے کی وجہ سے آپؐ کے کپڑے دھوئے (۲)

---

(۱) اس کی روایت ابو یعلیٰ نے کی ہے اور ان سے ابن جوزی نے "التحقیق" (۱:۶۳-۶۴) میں روایت کی ہے عن ثابت بن حماد حد ثنا علی بن زید عن سعید بن المسیب عن عمار بن یا سر مر فوعابہ البتہ اس روایت میں "مذی" کی جگہ "القی" ہے

اسی طرح طبرانی نے "الاوسط" (۱:۱۱) میں ابن عدی نے "الکامل" (ق ۱:۱۴۷) میں دار قطنی (۴۷) نے اور بیہقی (۱:۱۴) نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ:

"یہ باطل ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے' اور علی بن زید سے استدلال نہیں کیا جا سکتا اور ثابت بن حماد کے اوپر احادیث وضع کرنے کا اتہام ہے۔"

اور دار قطنی نے کہا ہے کہ:

"اسے ثابت بن حماد کے سوا کسی نے روایت نہیں کی اور وہ حد درجہ ضعیف ہیں۔" اور عبد الحق الاشبیلی نے "الاحکام الکبریٰ" (ق ۱:۲۷) میں کہا ہے۔:

"ثابت بن حماد کی احادیث منکر ہیں اور بدلی ہوئی ہیں۔"

ابن عراق کی "تنزیہ الشریعۃ" (۲:۷۳) میں اپنے اصل "ذیل الاحادیث الموضوعۃ للسیوطی (۹۹) کی اتباع میں ہے: "اور ابن تیمیہ نے کہا ہے جسا ن سے ابن الہادی نے "التنقیح "میں نقل کیا ہے کہ "یہ حدیث اہل علم کے نزدیک جھوٹ ہے۔"

میں کہتا ہوں: تحقیق ابن "الجوزی" کے ساتھ التنقیح کے مطبوعہ نسخہ میں مؤلف سے یہ منقول عبارت موجود نہیں ہے۔ واللہ علم

(۱) صحیحین اور دوسری کتابوں میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے یوں مری ہے وہ کہتی ہیں:

"میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی دھل دیا کرتی تھی پھر آپ نماز کے لیے نکلتے تھے اور تھوڑے سے پانی کا اثر آپؐ کے کپڑے پر باقی رہتا تھا۔"

دار قطنی (۴۶) نے اس کی روایت کی ہے اور یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ:

"پھر آپ نماز کس لیئے نکلتے اور میں دھلنے کے اثر سے دھبہ کو دیکھتی رہتی" اور کہا ہے کہ یہ صحیح ہے۔

اور انہیں خوب زور سے مل دیا۔(۱)

یہ روایت منی سے کپڑے دھلنے کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی اس لیے کہ کپڑے میل کچیل، گرد وغبار، رینٹ اور تھوک وغیرہ لگنے کی وجہ سے بھی صاف کیے جاتے ہیں۔ واجب تو اسی وقت ہوسکتا ہے جب آپؐ نے اس کا حکم دیا ہو جبکہ نبی ﷺ نے مسلمانوں کو ان چیزوں کے لگ جانے کی وجہ سے کپڑے دھونے کا حکم نہیں دیا نہ یہ منقول ہے کہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو اس کا حکم دیا ہو۔ ہاں انہیں اس پر باقی رکھا اس سے جواز یا استحباب کا پہلو البتہ نکلتا ہے۔

لیکن وجوب کے لیئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

اس طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو چھونے سے وضو واجب نہیں ہے نہ پیشاب و پاخانہ کے راستوں کو چھوڑ کر کسی اور راہ سے نجاست خارج ہونے سے وضو واجب ہوتا ہے اس لیئے کہ کسی نے رسول اکرمؐ سے کوئی ایسی چیز نقل نہیں کی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ آپؐ نے اس کا حکم دیا ہے حالانکہ یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ لوگ برابر پچھنا لگواتے تھے تے کرتے تھے اور جہاد میں زخمی ہوتے تھے اور کسی صحابی نے اپنی رگ خون نکالنے کے لیئے کاٹ دی تھی۔ اور اسی کو فصاء کہتے ہیں۔ لیکن کسی مسلمان نے یہ نقل نہیں کیا کہ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو اس کی وجہ سے وضو کرنے کا حکم دیا ہو۔

اسی طرح لوگ اپنی بیویوں کو شہوت اور بغیر شہوت کے چھوتے ہی رہتے تھے لیکن کسی مسلم

---

(۱) ابوداؤد (۳۷۱) نے ہمام بن حارث کے واسطہ سے تخریج کی ہے کہ وہ عائشہؓ کے پاس تھے۔ چنانچہ احتلام ہوگیا اور کپڑے سے جنابت کے نشانات کو دھلتے ہوئے انہیں عائشہؓ کی ایک باندی نے دیکھ لیا۔ اس نے جاکر عائشہؓ سے کہا تو انہوں نے فرمایا "تم مجھے دیکھ چکی ہو کہ میں رسول اللہؐ کے کپڑوں سے منی کو رگڑتی ہوں" اس کی سند صحیح ہے اور ترمذی نے اس کی تخریج کی ہے اور اسے "حسن صحیح" کہا ہے اور یہ حدیث مسلم (۱:۱۴۴، ۱۶۵، ۱۴۲) میں متعدد طرق سے مروی ہے۔

دارقطنی نے حضرت عائشہؓ سے ایک دوسرے طریق سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں "میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی رگڑ دیا کرتی تھی اگر وہ خشک ہوتا اور اسے دھوتی اگر تر ہوتا" اور اس کی سند صحیح ہے۔

احمد نے (۶:۲۴۳) جید سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں: اللہ کے رسول ﷺ اذخر کے عرق سے اپنے کپڑے سے منی اڑا دیا کرتے تھے پھر اس میں نماز پڑھ لیتے تھے اور اگر خشک ہوتا تو اسے رگڑ دیا کرتے تھے پھر اسی میں نماز پڑھ لیتے"

نے روایت نہیں کی ہے کہ آپؐ نے لوگوں کو اس کی وجہ سے وضو بنانے کا حکم دیا ہو۔ قرآن سے بھی اس سلسلہ میں کوئی راہنمائی نہیں ملتی بلکہ لمس سے مراد جماع کرنا ہے۔ جیسا کہ اپنے موقع پر اس کی تفصیل آ گئی ہے۔

اور ذکر (مرد کے آگے کی شرمگاہ) کو چھونے سے وضو کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ محض استحباب (۱) کے پہلو سے ہے چاہے بغیر شہوت کے چھوا ہو یا شہوت کی تحریک پر۔

اسی طرح جو شخص اپنی بیوی کو چھو لے اور شہوت حرکت میں آ جائے تو اس کے لیئے مستحب ہے کہ وضو کر لے۔

اسی طرح وہ شخص بھی جو سوچے اور اس کی شہوت حرکت میں آ جائے اور پھر منتشر ہو جائے۔

اسی طرح جو شخص نابالغ لڑکے کو یا کسی اور کو چھو لے اور پھر منتشر ہو جائے پس شہوت کی حرکت پر وضو کرنا غصہ کے وقت وضو کی جنس سے ہے اور یہ مستحب ہے۔

اس لیئے کہ سنن (۲) میں ہے نبی ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: غصہ شیطان کی جانب سے ایک فعل ہے اور شیطان آگ کا بنایا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ وضو کر لے۔"

اس طرح وہ شہوت جو غالب آ جائے وہ بھی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور چونکہ اس سے آگ اس کے قریب آ جاتی ہے اس لیئے وضو کے ذریعہ اسے بجھانے کا مستحب حکم دیا گیا

---

(۱) استحباب کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ وجوب کا حکم ہے اور یہ مؤلف کا قول ہے اور یہی صحیح ہے۔ بشرطیکہ شہوت کی تحریک پر ہو۔

(۲) یہاں مراد سنن ابوداؤد ہے اور وہ (۴۷۸۴) اور احمد (۴: ۲۲۶) عروہ بن محمد السعدی کے طریق سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بتایا اور انہیں میرے دادا نے بتایا ہے مرفوع روایت ہے۔ اس اسناد میں ضعف ہے اس لیئے کہ مذکورہ عروہ کو ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا اور اس کے باوجود ان پر تبصرہ کیا ہے کہ وہ غلطیاں کرتے تھے" اور حافظ نے "التقریب" میں "مقبول" کہہ کر ان کی نرمی کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی جب موافقت ہو تو قابل قبول ہے ورنہ انفرادیت کے وقت حدیث نرم ہو گی۔ جیسا کہ انہوں نے مقدمہ میں کہا ہے یہ ان کی خاص اصطلاح ہے۔ ضروری ہے کہ اس سے آگاہ رہا جائے۔

ہے۔ اس لیئے کہ آگ اسے لگے گی تو بدن پر ضرور اثر انداز ہوگی اور جب وہ وضو کرے گا تو پانی سے آگ بجھ جائے گی۔

نصوص میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو یہ بتائے کہ یہ حدیث منسوخ ہے بلکہ نصوص یہ بتاتے ہیں کہ وضو واجب نہیں ہے' وضو کا مستحب ہونا ان لوگوں کے مقابلہ میں معتدل رائے ہے جو اسے واجب مانتے ہیں اس حدیث ہی کو منسوخ کر دیتے ہیں اور یہ مسلک احمد کے اقوال میں سے ایک قول ہے۔

اس طریقے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جانور (جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) کا پیشاب اور ان کی لید نجس نہیں ہے ۔اس لیئے کہ ان چیزوں سے عام طور سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے' عرب قوم اونٹوں اور بھیڑوں کی قوم تھی وہ جانوروں کے مکانات میں بیٹھتے اور نماز ادا کرتے تھے اور اس میں مینگنیاں بھری ہوتی تھیں اگر یہ مینگنیاں اور پیشاب' پاخانے کے حکم میں ہوتے تو نجس قرار پاتے اور اللہ کے رسول ﷺ ان سے بچنے کا حکم دیتے اور تاکید کرتے کہ ان کے بدن اور کپڑے ان سے لت پت نہ ہوں اور نہ ان میں نماز ادا کریں۔

حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ ؐ کے صحابہ بکریوں کی باڑ (۱) میں نماز ادا کرتے تھے اور بکریوں کی بیٹھنے کی جگہوں پر نماز ادا کرنے کا آپ ؐ نے حکم دیا ہے اور اونٹ کے بیٹھنے کی جگہوں پر نماز پڑھنے سے روک دیا ہے (۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اونٹ کی مینگنیوں کے نجس ہونے کی وجہ سے وضو کرنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ یہ حکم ویسے ہی ہے جیسے اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کا حکم ہے۔

---

(۱) شیخین اور دوسرے لوگوں نے انس کے واسطے سے اس حدیث کی تخریج کی ہے وہ کہتے ہیں: نبی ﷺ بکریوں کی باڑ میں نماز پڑھتے تھے۔" اور ترمذی (۱۸۲:۲) نے کہا ہے کہ یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔

(۲) اس سلسلے میں متعدد صحابہ سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ان میں ابو ہریرہؓ جابر بن سمرہ اور براء بن عازب ہیں۔ابو ہریرہ کی حدیث کی تخریج ترمذی نے کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے الفاظ یہ ہیں" بکریوں کے بیٹھنے کی جگہوں پر نماز پڑھو اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں پر نماز نہ پڑھو"۔رہی حدیث جابر تو اس کی تخریج مسلم اور احمد نے کی ہے اور حدیث براء کی تخریج ابو داود احمد نے صحیح سند کے ساتھ کی ہے۔

بکریوں کے بارے میں آپؐ نے فرمایا چاہو تو وضو کرلو اور چاہو تو نہ کرو۔

اور فرمایا ہے ''اونٹ جنات سے پیدا کئے گئے ہیں (۱) اور ہر اونٹ کی کوہان پر ایک شیطان رہتا ہے۔ (۲)۔

اور فرمایا: فخر اور گھمنڈ اونٹوں والے کاشتکاروں میں ہوتا ہے اور سکینت بکری والوں میں ہوتی ہے'' (۳)۔

چونکہ اونٹ کے اندر وہ شیطنت ہوتی ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو ناپسند ہے اس لیے اسکا گوشت کھانے کے بعد وضو کا حکم دیا ہے یہ چیز اس شیطنت کو بجھا دیتی ہے اور اس کی باڑ میں نماز ادا کرنے سے روک دیا۔ اس لیے کہ وہ شیطانوں کا ٹھکانہ ہے جس طرح حمام میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ شیطانوں کی قیام گاہ ہے۔

---

(۱) امام احمد (۴:۸۵،۸۶،۵:۵۴،۵۵،۵۶) نے ابن ماجہ (۷۶۹) نے اور بیہقی (۲:۴۴۹) نے بطریق الحسن بواسطہ عبداللہ بن مغفل المزنی نے تخریج کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: ''بکریوں کی باڑ میں نماز پڑھ لو اور اونٹ کی باڑ میں نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ شیطان سے پیدا کیئے گئے ہیں۔'' اور احمد کی روایت میں ہے: ''کیونکہ وہ جنات سے بنائے گئے ہیں کیا تم ان کی آنکھوں کو اور بھڑکنے کو نہیں دیکھتے جب وہ بدکتے ہیں''؟ اس سند کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ اس لیئے اس کی اسناد کو شوکانی نے ''نیل الاوطار'' (۲:۲۳) میں صحیح کہا ہے لیکن حسن بصری مدلس ہیں اور انہوں نے اس روایت کو عن فلاں عن فلاں کہہ کر بیان کیا ہے اگر انہوں نے عبداللہ سے سنا ہے تو صحیح ہے۔

(۲) ان الفاظ کے ساتھ حاکم (۱:۴۴۴) نے ابو ہریرہؓ کی حدیث کو مرفوع قرار دیا ہے اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: ''تو انہیں سواری کے کام میں لاؤ کیونکہ اللہ نے انہیں سواری بنایا ہے۔'' اس کی سند حسن ہے اور حاکم نے مسلم کی شرط پر اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے پھر حاکم نے اور دارمی (۲:۲۸۶) نے حمزہ بن عمر واسلمی کی حدیث سے مرفوع ان الفاظ میں تخریج کی ہے۔ ''ہر اونٹ کے اوپر شیطان رہتا ہے تو جب تم ان پر سواری کرو اللہ کا نام لے لیا کرو تا کہ تمہاری کوئی ضرورت باقی نہ رہ جائے۔'' اور حاکم نے کہا ہے۔ ''مسلم کی شرط پر صحیح ہے'' اور ذہبی نے ان موافقت کی ہے اور یہ وہی ہے جیسا کہ ان دونوں نے کہا ہے اور اس کی تخریج انہوں نے اور احمد نے (۴:۲۲۱) ابولاس خزاعی کی حدیث سے ابو ہریرہ کی حدیث کی طرح کی ہے اور اس کی سند حسن ہے اور حاکم نے کہا ہے ''مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔'' اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۳) اس کی تخریج شیخین اور احمد نے ابو سعید خدریؓ کی مرفوع حدیث سے کی ہے۔

اس لئے کہ انہیں خبیث روحوں کی قیام گاہ اس بات کی سزاوار ہے کہ اس میں نماز نہ پڑھی جائے۔ خبیث جسموں کی جگہوں کے مقابلے میں بلکہ روحیں خبیث جسموں کو محبوب رکھتی ہیں۔ اسی لیئے کھجوروں کے جھنڈ شیطانوں کی قیام گاہ تھے جہاں وہ قیام کرتے تھے اور حمام اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں اور نجس سرزمین کے مقابلے میں یہ جھنڈ اس بات کے زیادہ سزاوار تھے کہ ان میں نماز پڑھنے سے روک دی جائے۔

کھجوروں کے جھنڈ کے سلسلہ میں خاص نص وارد نہیں ہے اس لیئے کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کا حکم بالکل واضح تھا۔ اس سلسلے میں کسی بیان کی ضرورت نہ تھی اسی لیئے کوئی مسلمان ان جھنڈوں میں بیٹھتا تھا نہ ان میں نماز پڑھتا تھا بلکہ گھروں میں پاخانہ بنوانے سے پہلے وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیئے خشکی یا کھلے میدان کا رخ کیا کرتے تھے۔ جب انہوں نے سنا کہ حمام میں یا اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا ہے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ ان باغات کے جھنڈوں میں نماز نہ پڑھنا اس سے کہیں زیادہ مناسب اور سزاوار ہے' حالانکہ وہ حدیث بھی روایت کی جاتی ہے جس میں قبرستان' بوچڑ خانہ گھور' باغات کے جھنڈ' راستے کا اوپری حصہ اور اونٹ کی باڑ میں اور بیت اللہ شریف کی چھت پر نماز پڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔

فقہاء حدیث کا اس میں باہم اختلاف ہے۔ امام احمد کے ساتھی اس میں دو قول رکھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ ان جگہوں کو ممنوع سمجھتے ہیں' اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے(۱)۔

---

(۱) میں کہتا ہوں یہی قول صحیح ہے اس لیئے کہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے اس کی وضاحت إِرْوَاءُ الْغَلِيلِ (۲۸۱) میں کی ہے لیکن اس کے دو جملے صحیح ہیں: اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے سے روکنا۔ اس کی تخریج دو حدیثوں سے پہلے ہو چکی ہے اور مقبرہ میں نماز کی ممانعت' اسی سلسلے میں ابوسعید خدری کی موضوع حدیث ہے۔ جس کے الفاظ ہیں "پوری سرزمین مسجد ہے سوائے قبرستان اور حمام کے" اسے تمام اصحاب سنن نے نسائی کو چھوڑ کر اور حاکم اور احمد نے روایت کی ہے۔

اس کی اسناد صحیح ہے۔ ایک جماعت نے اس کو صحیح کہا ہے انہی میں مؤلف بھی ہیں جیسا کہ میں نے "ارواء الغلیل" میں اس کا ذکر کیا ہے۔